لاہور کا خونی ہنگامہ

(فرمودہ ۶/ مئی ۱۹۲۷ء)

تشہد تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

آج میں فطرت انسانی کے اس تاریک ترین پہلو کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں جس پر نگاہ ڈالتے ہوئے وہ انسان جس کی نسبت بائبل میں آتا ہے کہ خدا نے اسے اپنی شکل پر پیدا کیا اور جس کی نسبت اسلام کہتا ہے کہ اشرف المخلوقات ہے۔ وہ نہایت ہی بدصورت اور ہیبت ناک جانوروں کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اگر انسان کے اخلاق حیوانوں سے بہتر نہیں تو وہ ان سے بھی بدتر صورت میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہے ابھی تازہ واقعہ ہے۔ اور یہ واقعہ اکیلا نہیں۔ بلکہ ایک لمبے سلسلہ واقعات کی کڑی ہے۔ اور نہیں کہہ سکتے کہ یہ آخری کڑی ہوگی یا اور بہت سی کڑیاں یکے بعد دیگرے اس سے جڑتی جائیں گی۔ وہ واقعہ یہ ہے۔ کہ لاہور میں اترسوں منگل کے دن عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ مسلمان ایک مسجد سے نکل رہے تھے کہ ان پر کچھ سکھ اور ہندو یہ کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے کہ مار ڈالو۔ کسی کو نہ چھوڑو۔ مسلمانوں کی احکام دین سے بے توجہی کے باعث نماز پڑھنے والے عموماً غریب طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور آج کل کی مذہبی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ بڈھے جو سمجھتے ہیں کہ اب ہم مرنے والے ہیں خدا کو یاد کرلیں ورنہ کیا جواب دیں گے۔ وہی عام طور پر نمازی ہوتے ہیں۔ ورنہ امراء اور نوجوان طبقہ کے لوگ تو نماز کے قریب جانا پسند ہی نہیں کرتے۔ اور وہ اسے چھوڑ چکے ہیں۔ پس وہ لوگ جو نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان میں عموماً وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو نہ آج کل کے ہندو مسلم جھگڑوں سے وابستہ ہوتے ہیں نہ ان میں ان کا دخل ہوتا ہے۔ اور نہ انہیں کوئی پوچھتا ہے۔ وہ اپنے دن مصیبت سے گذار رہے ہوتے ہیں اور قبر میں پاؤں لٹکائے موت کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں ایسے لوگوں پر اس وقت جبکہ وہ بے خبر ہوں۔ اور ایسی

حالت میں جبکہ وہ بالکل نہتے ہوں۔ کچھ مضبوط اور قوی آدمیوں کا ہتھیار لے کر جا پڑنا ہتوں کو زخمی کر دینا اور کئی کو مار دینا انسانی فطرت کا ایسا تاریک پہلو پیش کرتا ہے جو نہایت ہی بھیانک ہے۔

خبر ہے کہ اس وقت تک تین مسلمانوں کو سکھوں اور ہندوؤں نے قتل کر دیا۔ ایک ہندو کو زخمی کر دیا۔ مگر اس لئے کہ وہ شلوار اور مسلمانوں کی سی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ جب اس نے بتایا کہ میں ہندو ہوں تو پھر اسے چھوڑ دیا گیا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے مسلمان زخمی ہوئے۔ اس کے بعد برابر ہندوؤں مسلمانوں میں فساد کی رَو چل رہی ہے۔ اس وقت تک سات آٹھ آدمی اور مارے جا چکے ہیں۔ اور ایک سو کے قریب زخمی ہسپتال میں پڑے ہیں۔ حالانکہ جوش دکھانے والے بے خبر مسلمانوں کو قتل اور زخمی کرنے والے۔ مسلمانوں کے خلاف تدبیریں کرنے والے اور ان کا نام و نشان مٹانے کی تیاریاں کرنے والے اور ہیں۔ اور مارے اور جا رہے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں سے اکثر اس وجہ سے ہندوؤں کے ظلم و ستم کا شکار ہو رہے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ ورنہ فساد سے انہیں کوئی تعلق نہیں۔ کوئی گھر سے سودا لینے بازار گیا۔ اگر مسلمان تھا تو ہندوؤں نے اکیلا دیکھ کر مار ڈالا۔ اور اگر ہندو تھا تو مسلمانوں نے مار دیا۔ کوئی بیمار کے لئے دوائی لینے گیا۔ اسے مار ڈالا۔ اکثر واقعات جو اس وقت تک ہوئے ہیں۔ ایسے ہی ہیں کہ وہ مظلوم جن پر ستم توڑا گیا۔ بالکل بے قصور اور بے گناہ ہوتے ہیں۔ ان کا فساد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ محض اس لئے قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ یا زخمی کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں یا ہندو۔ یہ دراصل نتیجہ ہے اس رو کا جو دیر سے چل رہی ہے۔ اور یہ نتیجہ ہے ہندو لیکچراروں کے ان لیکچروں کا جن میں انہوں نے ہندوؤں کو یہ تلقین کی ہے کہ یا تو مسلمانوں کو ہندوستان سے بالکل خارج کر دیا جائے۔ اور باقی ہندو ہی ہندو رہ جائیں۔ یا پھر ہندو مسلمان ہو کر رہیں۔ اس کے سوا ان کے لئے اور کوئی چارہ نہیں ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندو لیکچراروں کی قوم میں مسلمانوں سے عداوت اور دشمنی بڑھ رہی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں۔ ہندو لیڈر تو جب یہ کام شروع کریں گے دیکھا جائے گا۔ ہم سے جس قدر ہو سکے ہم اسے شروع کر دیں۔

ہم احمدی بظاہر ان حالات سے متاثر نہیں ہوتے کیونکہ ان کا اثر براہ راست ہم پر نہیں پڑتا۔ لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے اس وحشت کو اپنی آنکھوں کے سامنے لائیں جس سے کام لیا جا رہا ہے۔ اور یہ نقشہ کھینچیں کہ ایک شخص بھلا چنگا گھر سے نماز کے لئے جاتا ہے یا اپنے کسی عزیز بیمار کے لئے دوا لانے کے لئے گھر سے نکلتا ہے۔ یا بائیسکل پر سوار ہو کر کہیں جا رہا ہے اور مارا جاتا ہے۔ جب اس کے گھر والوں کو یہ خبر پہنچے گی کہ ان کا آدمی نماز پڑھ کر واپس آنے کی بجائے خون میں لتھڑا ہوا

دم توڑ رہا ہے یا مر گیا ہے۔ یا بیمار جس کی جان لبوں پر تھی وہ تو ابھی زندہ ہے۔ لیکن اس کے لئے جو چنگا بھلا دوائی لینے گیا تھا وہ قتل ہو گیا ہے۔ یا جس کی بیوی منتظر ہو گی کہ اس کا خاوند یا جس کی ماں منتظر ہو گی کہ اس کا بچہ یا جس کی بہن منتظر ہو گی کہ اس کا بھائی یا جس کے بچے منتظر ہوں گے کہ ان کا باپ ابھی ابھی بائیسکل پر سوار گھر آنے والا ہے وہ جب یہ سنیں گے کہ ان کے باپ کی لاش بازار میں پڑی ہے۔ یا جب ماں سنے گی کہ اس کے بچے کی لاش ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے یا جب بہن سنے گی کہ اس کا بھائی خون سے نہا کر دم توڑ رہا ہے یا جب بیوی سنے گی کہ اس کا خاوند اس بے دردی اور بے رحمی سے ہلاک کر دیا گیا ہے تو ان کی کیا حالت ہو گی۔ ایسی بیواؤں ' ایسے یتیموں ' ایسے والدین ' ایسے بہن بھائیوں کی حالت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچو۔ اور پھر بتاؤ۔ ان کی کیا حالت ہو گی۔ ہر شخص کی ماں ' بہن ' بیوی ' بچے عزیز دوست کوئی نہ کوئی ہوتا ہے۔ اور کوئی ایسا شخص نہیں جو آسمان سے گرا ہو جس کے ماں باپ نہ ہوں یا بیوی بچے نہ ہوں یا بہن بھائی نہ ہوں یا اور رشتہ دار نہ ہوں ضرور کوئی نہ کوئی ہر ایک کا رشتہ دار ہوتا ہے مگر افسوس ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو دوسروں کی مصیبت اور حالت کا پورا اندازہ کرتے ہیں۔ ہاں جب خود ان پر اس قسم کی مصیبت آتی ہے۔ تب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کتنی تکلیف کتنا رنج اور کتنا صدمہ ہوتا ہے۔ انہی بے قصوروں کو مارنے والوں کے گھروں میں اگر دو دن کا بچھڑا بھی مرتا تو آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ مگر ان کو اتنا خیال نہ آیا کہ جنہیں وہ مار رہے ہیں ان کے بھی بہن بھائی ہوں گے۔ ان کے بھی بیوی بچے ہوں گے۔ ان کے بھی رشتہ دار ہوں گے ان کی کیا حالت ہو گی۔ ان کے مارنے سے مسلمان مٹ نہیں گئے۔ اور نہ مٹ سکتے ہیں۔ اب بھی موجود ہیں۔ اور انشاء اللہ ہمیشہ موجود رہیں گے مگر وہ گھر برباد ہو گئے۔ وہ خاندان تباہ ہو گئے۔ وہ مکان ویران ہو گئے۔ وہ بسنے والے اجڑ گئے۔ جن پر آفت آئی اور ظالموں اور سفاکوں کے ہاتھوں بلاوجہ اور بغیر قصور آئی۔ پس یہ نہایت ہی تاریک فعل ہے۔ اور ایسا شرمناک فعل ہے۔ جس پر ہر وہ انسان جو شرافت اور انسانیت کی صفات سے خالی نہیں ہو گیا ملامت کرے گا۔ اور اظہارِ نفرت کرنا اپنا فرض سمجھے گا۔ شردھانند صاحب کے قتل پر اس لئے کہ جس وقت قتل کیا گیا اس وقت کوئی خاص وجہ پیدا نہ ہوئی تھی تمام مسلمانوں نے اس فعل سے اظہار نفرت کیا۔ اور کسی قسم کی ہمدردی اس سے ظاہر نہ کی۔ مگر وہاں تو ایک شردھانند قتل ہوا تھا۔ یہاں تین (ان میں ایک کا اور اضافہ ہو چکا ہے۔ جو زخموں کی وجہ سے بعد میں فوت ہو گیا) مارے گئے ہیں۔ اور بلاوجہ بلاقصور مارے گئے ہیں۔

اب ہم دیکھیں گے کہ ہندو کس طرح ان کے قاتلوں سے اظہار نفرت کرتے اور کیونکر ان

کے فعل کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اگر انہوں نے اسی جوش اور اسی طریق سے اظہار نفرت کیا۔ جس طرح مسلمانوں نے شردھانند کے قتل پر کیا تھا۔ تو ہم سمجھیں گے کہ ہندوؤں میں بھی تبدیلی آگئی ہے اور شرافت اور انسانیت کے جذبات ان میں پیدا ہو گئے ہیں۔ لیکن اگر انہوں نے قاتلوں کے فعل پر پردے ڈالنے کی کوشش کی اور ان کے مددگار بن گئے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ یہ قوم انسانیت کے دائرہ سے نکل کر حیوانیت کے دائرہ میں داخل ہو چکی ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر حالت کو پہنچ چکی ہے۔ اور اس سے صلح کر کے مسلمان اس ملک میں امن سے نہیں رہ سکتے۔ آج تک کا پچھلا تجربہ بتاتا ہے کہ جہاں کہیں بھی ہندوؤں پر ظلم ہوا۔ مسلمانوں نے ان سے ہمدردی کی۔ اور اس فعل کے کرنے والوں سے اظہار نفرت کیا۔ لیکن جہاں جہاں مسلمانوں پر ہندوؤں نے مظالم کئے۔ وہاں ہندوؤں نے نہ تو مسلمانوں سے ہمدردی کا اظہار کیا اور نہ اپنی قوم کے ظالم اور بے رحم لوگوں کے افعال سے اظہار نفرت کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں مسلمانوں کے خلاف جوش اور جرأت بڑھتی جا رہی ہے۔ آج بھی اگر ہندو لیڈر مسلمانوں پر رحم کر کے نہیں بلکہ اپنی قوم پر رحم کر کے کیونکہ بالآخر نقصان انہی کو اٹھانا پڑتا ہے جو ظالم ہوں۔ ظالم قوم جو قبر دوسرے کے لئے کھودتی ہے دراصل اس میں خود گرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ظالم کبھی جیتتا نہیں بلکہ ہمیشہ مغلوب ہوتا ہے۔ پس یہ ظلم ان کو فائدہ نہیں دے سکتا۔ اس لئے اگر وہ اپنی قوم کے ایسے افعال سے اظہار نفرت کریں گے تو اس سے ان کی قوم کے اخلاق بچ جائیں گے۔ مجھے یہ بات معلوم کر کے نہایت افسوس ہوا ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں کے ظلم کے بعد مسلمانوں نے بھی بعض ہندوؤں اور سکھوں کو مارا پیٹا ہے۔ میں ان کے اس فعل پر بھی اسی طرح اظہار نفرت کرتا ہوں۔ جس طرح ہندوؤں کے فعل پر کیا ہے۔ مسلمانوں نے جن ہندوؤں یا سکھوں کو مارا ہے۔ ان کا کوئی جرم نہ تھا۔ وہ مسلمانوں کے قاتل نہ تھے۔ اور اس وقت قتل میں شریک نہ تھے ان کو قتل کرنا یا مارنا سخت ناروا اور ناواجب تھا۔ پس میں مسلمانوں کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ ان کو اپنے افعال اپنے قابو میں رکھنے چاہئیں۔ وہی انسان وقت پر کام کر سکتا ہے۔ جو اپنے جوش کو دبا سکتا ہے۔ اور جو ایسا نہیں کرتا بلکہ فوراً نکل جانے دیتا ہے وہ کچھ کام نہیں کر سکتا۔

انسانی دماغ انجن کی طرح ہوتا ہے۔ جب انجن میں سٹیم بھر جائے تو چلنے لگ جاتا ہے لیکن جب سٹیم نکل جائے۔ تو کھڑا ہو جاتا ہے۔ واقعات اور حوادثات انسان کے دماغ میں سٹیم بھرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعہ جو جوش پیدا ہو اسے اگر نکلنے دیں تو وقت پر کچھ کام نہیں دے سکتا۔ ہاں

اگر بند رکھیں تو جس طرح انجن چلتا ہے اور سینکڑوں من بوجھ کھینچ کر لے جاتا ہے۔ اس طرح مسلمان بھی کوئی قابل ذکر کام کر سکیں۔ اگر ان مصائب پر جو انہیں پیش آ رہے ہیں۔ مسلمان جوش نہ دکھائیں صبر سے کام لیں۔ فوراً بدلا لینے کی طرف نہ جھک جائیں تو اس کالازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ اصلی کام کرنے کی طرف ان کو توجہ پیدا ہو گی اور ان کے دماغوں میں جو سٹیم ہو گی وہ انہیں کام دے گی۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جب بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں مسلمان اپنے دماغی انجن کے Volve کو کھول دیتے ہیں اور سٹیم نکل جاتی ہے۔ مثلاً اب ہی جو فساد ہوا ہے۔ اس میں مسلمان اگر ہندو اور سکھوں کے ظلم کا جواب دے لیں۔ تو پھر گھروں میں خاموشی کے ساتھ بیٹھ رہیں گے۔ اور کہیں گے ہم نے بھی بدلا لے لیا۔ اس طرح ان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ لیکن اگر مسلمان بدلا نہیں لیں گے بلکہ یہ کوشش کریں گے کہ ہم ایک بھی ہندو کو ہندو یا ایک بھی سکھ کو سکھ نہ رہنے دیں گے۔ اور انہیں مسلمان بنالیں گے۔ تو یہ ان کے اندر ایک سٹیم ہو گی۔ جو ترقی کی طرف انہیں لے جائے گی اس طرح غصے فرو نہیں ہوں گے۔ بلکہ بڑھتے رہیں گے۔ پس ایسے موقعوں پر جوش کو دبانا مضر نہیں بلکہ مفید ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے جوشوں کو دبا لیتے ہیں۔ اور ناجائز کارروائی سے پرہیز کرتے ہیں وہ کامیاب ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے اندر ایسی آگ لگی رہتی ہے جو کبھی نہیں بجھتی۔ اور ایسی جلن ان کے دلوں میں رہتی ہے کہ وہ ایک لحہ غافل نہیں ہو سکتے۔ لیکن جن کے جوش نکل جاتے ہیں۔ ان کے ارادے بھی بے نتیجہ رہ جاتے ہیں۔ جن کے سینوں میں آگ دبی ہوئی ہو۔ ہمیشہ وہی ہوشیار اور خوش رہتے ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کو چاہئے۔ ان مظالم کا جواب بجائے ہاتھ سے دینے کے زبان سے دیں' دلائل سے دیں' فعل سے دیں' اور وہ اس بات کی کوشش کریں کہ ان لوگوں کو تبلیغ کی جائے۔ اور انہیں مسلمان بنایا جائے۔ رسول کریم ﷺ کے خلاف جس قدر مظالم بڑھتے گئے آپ تبلیغ پر زیادہ زور دیتے گئے۔ اسی طرح اب مسلمانوں کو بھی اس پر زور دینا چاہئے۔ دیکھو خود رسول کریم ﷺ کو دشمنوں نے کس قدر تکالیف دیں۔ آپ کے آدمی مارے گئے۔ کیسے کیسے عالی شان صحابہ اور مخلص صحابیات قتل کی گئیں مگر رسول کریم ﷺ نے اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دیا۔ جب صحابہ اور صحابیات کو مارا گیا۔ رسول کریم ﷺ بھی یہی کر سکتے تھے جو اب مسلمان کر رہے ہیں۔ مگر آپ نے یہ نہیں کیا بلکہ تبلیغ پر اور زیادہ زور دیا۔ اور اتنا زور دیا کہ وہ جو آپ کو پتھر مارنے والے تھے۔ وہ آپ کے دستِ راست بن گئے۔ اور تبلیغ کے کام میں ہاتھ بٹانے والے ہو گئے اس وقت بھی مسلمانوں کے لئے ایک ہی راستہ کھلا ہے۔ اور وہ یہ کہ تبلیغ پر زور

دیں- اور سکھوں اور ہندوؤں کو مسلمان بنائیں- اگر مسلمان ایسا کریں گے تو یہی خون جو ان کا بہایا گیا ہے ان کے لئے کھاد کا کام دے گا- لیکن اگر انہوں نے خون کے بدلے خون بہالیا- تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کے جوش دب جائیں گے اور ہندوؤں کے مظالم سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے-

دوسری چیز جس کی طرف مسلمانوں کو اور خصوصاً اپنی جماعت کو توجہ دلاتا ہوں- وہ یہ ہے کہ ہم سے پہلے بھی غلطی ہوئی ہے اور اب بھی اسی کا ارتکاب دوبارہ کیا جارہا ہے- اور وہ یہ کہ سکھوں سے مسلمانوں کے تعلقات اعلیٰ درجہ کے تھے- سکھ مسلمان بزرگوں کا بڑا ادب اور تعظیم کرتے تھے- اپنے عبادت خانوں کی بنیاد ان سے رکھواتے- مسلمانوں کے مقدس مقامات پر جاکر چلّہ کشی کرتے- اور ہر طرح مسلمانوں اور اسلام سے اخلاص رکھتے- مگر افسوس کہ مسلمانوں نے بعض سیاسی امور میں غلطی کر کے سکھوں کو اپنا دشمن بنالیا- اور ہندوؤں نے ان کو جذب کرنا شروع کر دیا- جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ جو اسلام کے دروازہ پر تھے ہم سے دور ہو کر دشمن کا ہتھیار بن گئے- یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی جو مسلمانوں سے ہوئی- اور جس کا سینکڑوں سال سے ہم خمیازہ اٹھا رہے ہیں- اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی اصلاح فرمائی اور جہاں ایک طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ سکھوں کے سب سے بڑے گورو مسلمان تھے- مسلمان بزرگوں سے تعلق رکھتے تھے- مسلمان بزرگوں سے برکت حاصل کرتے تھے- دوسری طرف سکھوں کو توجہ دلائی کہ ان کے بزرگوں کے تعلقات ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں سے زیادہ تھے- مسلمانوں کو وہ اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھتے تھے- ان کے فیوض سے بہرہ اندوز ہوتے تھے- اس لئے تمہارے تعلقات بھی ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں سے زیادہ ہونے چاہئیں- یہ ایک نہایت صحیح رستہ تھا- جسے اگر مسلمان پکڑ لیتے اور سیاسی غلطیاں نہ کرتے- تو اس وقت سکھ مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے- مگر مسلمانوں نے اس مسئلہ کی نزاکت کو نہ سمجھا- اور اس کے متعلق سوائے جماعت احمدیہ کے پوری بے توجہی اور لاپرواہی سے کام لیا- اگر مسلمانوں نے اس مسئلہ کی مذہبی اہمیت نہ سمجھی تھی- تو سیاسی اہمیت ہی سمجھتے- اور خیال کرتے- پنجاب میں مسلمانوں کے ساتھ اگر سکھ بھی مل جائیں تو مسلمانوں کی طاقت کس قدر زبردست ہو سکتی ہے- اسی طرح سکھوں کو مسلمانوں کے ساتھ ملنے سے کس قدر قوت مل جاتی ہے- دونوں کو اتنی طاقت حاصل ہو سکتی ہے- جو سیاسی طور پر پنجاب کی حکومت کو درست رکھنے کے لئے کافی بلکہ کافی سے بھی زیادہ ہے- لیکن اگر سکھ ہندوؤں سے ملیں- تو انہیں

کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہندو اور سکھ مل کر بھی مسلمانوں سے کم رہتے ہیں۔ اور اس طرح سکھ حکمران نہیں بن سکتے۔ ہاں اگر مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں تو حاکم ہو سکتے ہیں۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی ۵۵ فیصدی ہے۔ اور سکھوں کی ۱۳ فی صد۔ اگر دونوں مل جائیں تو ان کی ۶۸ فی صدی ہو سکتی ہے۔ اس طرح دونوں مل کر پنجاب پر آزادی سے حکومت کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ۱۳ فی صدی سکھ۔ ۲۹ فی صدی ہندوؤں سے ملیں تو ۴۲ فی صدی بنتے ہیں۔ اور ۴۲ فی صدی ۵۵ فی صدی مسلمانوں پر غالب نہیں آسکتے کجا یہ کہ مسلمانوں اور سکھوں کی مجموعی تعداد ۶۸ فیصدی پر غالب آسکیں۔ پس سیاسی طور پر سکھوں کا فائدہ اسی میں ہے کہ مسلمانوں سے مل جائیں۔ اور مسلمانوں کا بھی اسی میں فائدہ ہے کہ سکھ ان کے ساتھ مل جائیں۔ اب گورنمنٹ سکھوں اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں قریباً نصف حقوق نمائندگی دیتی ہے۔ لیکن اگر سکھ مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں تو بہت زیادہ دینے پر مجبور ہوگی۔

پس سیاسی طور پر بھی مسلمانوں اور سکھوں کا اس میں فائدہ تھا۔ کہ آپس میں مل جاتے۔ لیکن جن لوگوں کے نزدیک مذہب بھی کچھ حقیقت رکھتا ہے۔ وہ اس بات پر غور کر سکتے ہیں کہ سکھ توحید کو ماننے والے ہیں اور ہندو مشرک ہیں۔ آریہ کہتے ہیں کہ وہ بت پرست نہیں ہیں مگر مادہ کو وہ بھی ازلی ابدی قرار دے کر خدا کے برابر کر دیتے ہیں۔ اس طرح وہ بھی مشرک ہی ہیں۔ لیکن سکھ سب چیزوں کا خالق خدا کو مانتے ہیں۔ اور وہ موحد ہیں۔ پس مذہبی طور پر جتنا اتحاد سکھوں سے ہو سکتا ہے اتنا ہندوؤں سے نہیں ہو سکتا۔ اور مجھے تو جب کوئی سکھ ملا ہے۔ اور میں نے اس طرف اسے توجہ دلائی ہے تو وہ مان گیا ہے کہ فی الواقع مسلمانوں کے ساتھ سکھوں کے تعلقات بہت استوار ہو سکتے ہیں۔ اگر مسلمان ذرا بھی حکمت سے کام لیتے تو سکھ ہندوؤں سے نہیں مل سکتے تھے۔ اور مسلمانوں سے ان کا اتحاد ہو سکتا تھا۔ اگر انہیں یہ بتایا جاتا کہ تمہارے بزرگوں سے مسلمانوں نے کیسے کیسے اچھے سلوک کئے۔ اور تمہارے بزرگ انہیں کیسا اچھا سمجھتے تھے۔ تو درمیانی واقعات کو وہ یقیناً بھلا دیتے۔ اگر کوئی سکھوں کو یہ سمجھاتا اور ان کے ذہن نشین کرا دیتا کہ سکھ دھرم کے بانی سے مسلمانوں نے کیا سلوک کئے۔ اور انہیں بھی مسلمانوں سے اس قدر تعلق تھا کہ مسلمان بزرگوں کے مقامات پر چلہ کشی کرتے۔ پھر بعد میں بھی سکھ بزرگوں کو مسلمان بزرگوں سے عقیدت رہی۔ چنانچہ امرت سر کے مشہور دربار صاحب کی بنیاد ایک مسلمان بزرگ میاں میر صاحب کے ہاتھوں رکھوائی گئی۔ تو بزرگوں کی محبت اور عقیدت کی وجہ سے وہ واقعات بھول جاتے جو سکھوں اور مسلمانوں میں ٹکر کی

کا باعث ہوئے۔ اب بھی مسلمانوں کو چاہئے کہ سکھوں سے دوستانہ تعلقات قائم کریں اور بتائیں کہ مسلمانوں کے ان کے ساتھ جو تعلقات رہے ہیں وہ اوروں کے نہیں رہے۔ لوگ سکھوں کو بے جا جوشیلے اور کم سمجھ کہتے ہیں۔ لیکن مجھ سے جو ملے ہیں۔ میں نے ان میں سعادت پائی ہے خصوصیت کے ساتھ ان پر بڑی اثر کرنے والی بات یہ ہے کہ مسلمان مواحد ہیں۔ اور سکھوں میں توحید پر بڑا یقین پایا جاتا ہے۔ چونکہ خدا کی محبت اس قوم کو اسلام کی طرف لانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس لئے ان سے صلح اور دوستی رکھنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ پس جہاں تک ہو سکے۔ مسلمانوں کو سکھوں سے محبت رکھنی چاہئے۔ اور انہیں اپنے خلاف ہندوؤں کا ہتھیار نہیں بننے دینا چاہئے۔ بیشک اس میں مشکلات بھی ہیں مگر ان کا علاج کرنا چاہئے۔ ایک سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ جہاں سکھ مرد توحید کے قائل ہیں۔ وہاں سکھوں کی عورتیں ویسی ہی مشرک ہیں جیسے اور ہندو عورتیں۔ اور ان کے گھروں میں ہندوانہ رسوم موجود ہیں۔ اس کا بہت بڑا اثر مردوں پر بھی پڑتا ہے اور وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ ایک دفعہ مجھے اس بات کا خاص طور پر تجربہ ہوا۔ میری عمر بارہ تیرہ سال کی ہوگی کہ ہم چند بچے ہوائی بندوق لے کر شکار کے لئے نکلے۔ یہاں سے قریب ہی ایک سکھوں کا گاؤں ہے۔ جس کا نام "ناس پور" ہے۔ جب ہم وہاں گئے تو گاؤں کے اٹھارہ اٹھارہ 'انیس انیس سال کے نوجوان اور کچھ ان سے بھی بڑی عمر کے ہمارے ساتھ مل گئے۔ اور شکار بتانے لگے۔ کہ یہ مارو۔ وہ مارو۔ اتنے میں ایک عورت نکلی۔ جس نے ہمیں تو کہا کیوں جیو ہتیا کرتے ہو۔ اور سکھ لڑکوں سے کہا۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ تمہارے سامنے جیو ہتیا ہو رہی ہے۔ اس پر ان لڑکوں کی حالت یک لخت بدل گئی۔ وہ کہنے لگے تم کیوں شکار کرتے ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ اس وقت مجھے حیرت ہوئی کہ ابھی تو یہ خود ہمیں لائے تھے۔ اور ہمارے ساتھ ساتھ شکار بتاتے پھر رہے تھے۔ اور ابھی خلاف ہو گئے ہیں۔ اس وقت تو مجھے اس کی وجہ سمجھ میں نہ آئی تھی۔ لیکن اب معلوم ہے کہ یہ ان کی ماؤں کا اثر تھا جو ان پر ہوا۔

غرض اس وقت تک سکھ عورتوں میں توحید کا نام و نشان بھی نہیں۔ اور ہندوؤں سے پرانے میل جول کی وجہ سے ابھی تک ان میں شرک پایا جاتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مسلمان عورتیں سکھ عورتوں سے تعلقات بڑھائیں۔ اور ان کو توحید سے آگاہ کریں۔ سکھ خود بھی ان کی اصلاح کر رہے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ سکھ عورتیں بھی موحّد ہو جائیں گی۔ لیکن اگر سکھ عورتوں سے مسلمان عورتیں تعلقات بڑھائیں۔ تو چند سالوں میں ان کی حالت بدل سکتی ہے۔ اور

پھر سکھ قوم اس حقیقت پر بآسانی قائم ہو سکتی ہے۔ جس پر اس کے گورووں نے اس کو قائم کرنا چاہا تھا مسلمانوں کو ان واقعات سے متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ جو سکھ ہندوؤں کی انگیخت سے کرتے ہیں۔ بلکہ سکھوں کو ہندوؤں کے قبضہ سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ پس میں ایک طرف تو مسلمانوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ایسے مواقع پر بجائے وقتی جوش دکھانے کے ہمیشہ کے لئے یہ فیصلہ کریں کہ اسلام کے لئے زندہ رہیں گے۔ اور اسلام کے لئے ہی مریں گے۔ دوسرے حُسنِ تدبیر سے سکھوں کو ہندوؤں کے پنجہ سے چھڑائیں۔ اس کے لئے ہر مسلمان کا فرض ہونا چاہئے۔ کہ سکھوں کو آگاہ کر دے کہ ان کا مسلمانوں سے ہی تعلق ان کے لئے ہر رنگ میں مفید ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہر خاندان کی عورتیں جن کو موقع ملے۔ سکھ عورتوں کو سمجھائیں کہ شرک نہیں کرنا چاہئے۔ اگر ان دو تدبیروں پر عمل کیا جائے تو یقیناً وہ مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔ جن سے اس وقت مسلمان گھبرا رہے ہیں۔ اور تھوڑے عرصہ میں وہ تباہی جو بار بار مسلمانوں پر آتی ہے دور ہو سکتی ہے۔

اس کے علاوہ اور عملی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ مگر یہ دو تدابیر مجموعی طور پر ضرور اختیار کرنی چاہئیں۔ کہ ایک تو وقتی جوش نہ دکھایا جائے۔ بلکہ مستقل کام کرنے کی کوشش کی جائے چند سکھوں یا آریوں کے مارنے سے اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ہاں اگر مستقل طور پر کام کیا جائے گا تو فائدہ ہو گا۔ پس میری سب سے بڑی نصیحت مسلمانوں کو یہ ہے کہ وہ اس آگ کو جو خدا تعالیٰ کی مصلحت کے ماتحت ان کے دلوں میں بھڑکائی گئی ہے۔ دشمن کے خون کا چھینٹا دے کر نہ بجھائیں۔ بلکہ اسے جلائیں جلائیں جلائیں حتیٰ کہ دشمنی اور عداوت کے سب سامان بھسم ہو جائیں۔ پس اپنے ہاتھ سے مقتولوں کے خون کا بدلہ نہ لو۔ تاکہ تمہارے دل ٹھنڈے نہ ہو جائیں۔ اور وہ طریق اختیار کرو کہ اس کفر و ضلالت کو جس نے بے قصور مسلمان قتل کرائے مٹا دو۔ یہ مرنے والوں کے لئے حقیقی زندگی ہو گی۔

دوسری نصیحت یہ ہے کہ سکھوں سے دوستانہ تعلقات بڑھائے جائیں نہ کہ گھٹائے جائیں۔ ذرا حسنِ تدبیر سے کام لیا جائے تو ان کی مسلمانوں سے سچی دوستی ہو سکتی ہے۔

تیسری نصیحت یہ ہے کہ مسلمان اور تدابیر بھی اختیار کریں عجیب بات ہے مسلمان بار بار مار کھاتے ہیں مگر پھر بھی نہتے ہی رہتے ہیں۔ اگر سکھ کرپانیں رکھتے ہیں۔ اور گورنمنٹ مسلمانوں کو تلواریں رکھنے کی اجازت نہیں دیتی تو ہاتھ میں لاٹھی رکھنا کون سا مشکل ہے۔ اگر مسلمان اپنا فرض سمجھ لیں کہ ہاتھ میں سونٹا رکھنا ہے۔ تو وہ بہت حد تک اپنی جانیں بچا سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں کہا گیا

ہے۔ خُذُوْا حِذْرَکُمْ اپنی حفاظت کا سامان ضرور رکھنا چاہئے۔ جب دشمن حملہ کر رہا ہے۔ اور متواتر کر رہا ہے تو مسلمانوں کے لئے مشکل کیا ہے کہ چند پیسوں کا بھی نہیں بلکہ کلہاڑا لے کر خود درخت سے شاخ کاٹ کر ڈنڈا بنالیں۔ جسے ہر وقت اپنے پاس رکھیں حتیٰ کہ نمازوں کے لئے جائیں تو بھی ان کے پاس ہو۔ جب نماز کے وقت تلواریں اور بندوقیں لے جانی جائز ہیں تو ڈنڈا کیوں منع ہو گا۔ پس ہر مسلمان کے پاس ڈنڈا ہونا چاہئے۔ تاکہ اگر دشمن حملہ کرے تو وہ اپنی حفاظت کر سکے۔ اپنی عورتوں کی حفاظت کر سکے۔ اپنے اموال کی حفاظت کر سکے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مسلمان کو ظالم نہیں بننا چاہئے کسی نہتے کو مارنا۔ یا راستہ چلتے کو اس لئے مارنا کہ وہ دشمن کی قوم کا ہے سخت ظلم ہے۔ جس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے اور ہمیشہ انصاف پر قائم رہنا چاہئے۔ خواہ دشمن کتنے ہی ظلم اور تعدّی پر اتر آئے۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ اور اسی پر قائم رہ کے مسلمان غالب ہو سکتے ہیں۔ اور یہی غلبہ ان کو فائدہ دے سکتا ہے۔ ورنہ اگر اسلام چھوٹ گیا تو پھر غلبہ اور فتح کس کام کی۔ ظالم جب ظلم کرتا ہے۔ تو اس کا ہاتھ روکو اور ہمت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرو۔ میرے نزدیک تو ان مسلمانوں نے غلطی کی جو ہندوؤں اور سکھوں کے حملہ کے وقت بھاگ گئے۔ خواہ وہ نہتے ہی تھے۔ مگر بھاگے کیوں؟ وہ ایسی حالت میں بھی دشمن کا مقابلہ کر کے اسے بتا دیتے کہ مسلمان بھاگنے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ اس طرح وہ ظالموں کو باسانی پکڑوا بھی سکتے تھے۔ مگر ایسی حالت کے بعد کسی ہندو یا سکھ کو مارنا ظلم ہے۔ جو خواہ کوئی مسلمان کرے یا احمدی کرے یا کوئی قریبی رشتہ دار کرے یا بھائی کرے۔ میرے نزدیک ظلم ہی ہے۔ جس سے مسلمانوں کو اپنے ہاتھ پاک رکھنے چاہئیں۔ کسی بے گناہ اور بے قصور پر حملہ کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔ اور اتنا بڑا ظلم ہے جس سے آسمان کانپ جاتا ہے انسانی جان کو خدا تعالیٰ نے اس قدر عزت دی ہے کہ اس پر عرش کا قیام رکھا ہے۔ اور جو شخص کسی بے گناہ کی جان لیتا ہے۔ خواہ اس بے گناہ کی قوم کتنی ہی ظالم ہو۔ خدا تعالیٰ کا عرش کانپ جاتا ہے۔ جب تک انسانی زندگی کی قدر قائم نہ ہو۔ اس وقت تک نہ امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ کوئی تہذیب قائم ہو سکتی ہے۔ پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ خون اور قتل کے تمام دروازے بند کر دیں۔ ہاں اس قتل کو کام میں لائیں جو نفس کا قتل ہے باطل عقائد کا قتل ہے۔ جھوٹ شرارت' فتنہ و فساد کا قتل ہے۔ اگر دشمن حملہ کرتا ہے تو تم اپنے پاس ہتھیار رکھو۔ تا اس کا مقابلہ کر سکو مگر اپنے جوش کو بے فائدہ ضائع مت کرو۔ اسے دباؤ تاکہ دوسرے مواقع پر تمہارے کام آسکے۔

میں اس وقت اپنی جماعت کے لوگوں سے کہتا ہوں۔ ان کا فرض ہے کہ مسلمانوں کو بچانے اور

انہیں مضبوط بنانے کے لئے ہر قسم کی مدد انہیں دیں۔ان کو نصیحت کریں۔ضروری ہدایات دیں ان تعلیمات کو جو میں یہاں دیتا ہوں۔ مسلمانوں میں پھیلائیں۔وقت آگیا ہے کہ اب وہی آواز اونچی ہو۔جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بلند کی۔اب اسی آواز سے دین و دنیا کی ہدایت مسلمانوں کو میسر ہوگی۔پس احمدیوں کا فرض ہے کہ اس آواز کو مسلمانوں تک پہنچائیں۔ تاکہ مسلمان اس ابتری اور پراگندگی کے زمانہ میں دشمنوں کے حملوں سے بچ سکیں۔اور اسلام کی حالت جو پہلے ہی ابتر ہو چکی ہے اور نہ ہو۔اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کے لوگوں کو توفیق دے کہ وہ خود بھی ان باتوں پر عمل کریں۔اور دوسروں کو بھی توجہ دلا سکیں۔

اس کے بعد حضور نے ایک مخلص نوجوان غلام علی صاحب کا مولوی عبدالحق صاحب ایبٹ آباد کے والد عمر بن خطاب صاحب کا اور رقیہ بی بی زوجہ شیر محمد صاحب کا۔جن کا جنازہ پڑھنے والے دو دو تین تین آدمی تھے۔جنازہ پڑھنے کا اعلان فرمایا۔اور نماز کے بعد جنازہ پڑھا۔

(الفضل ۱۳/ مئی ۱۹۲۷ء)

[1] النساء : ۷۲